حاجی عبداللہ قادریؒ

پروفیسر محمد اسلم پنجاب یونیورسٹی لاہور،

شاہجہاں کے عہد حکومت میں قندھار کے محاصروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاہجہاں نے قندھار کی مہم اپنے ولی عہد شہزادہ دارا شکوہ کو سونپی اور خود بھی اس کے عقب میں کابل روانہ ہوا۔ شاہجہاں کی روانگی کے بعد شاہی حرم کی بیگمات بھی کابل روانہ ہوئیں۔

اثنائے سفر دارا شکوہ پنجاب کے دو نامور مشائخ حضرت شاہ دولہ گجراتیؒ اور حاجی عبداللہ قادریؒ سے ملا اور اس نے جہاں آرا بیگم کو خط لکھا کہ وہ بھی دوران سفر ان بزرگوں سے ضرور ملے[۵۱]۔ جہاں آرا بیگم نے گجرات بھیج کر حضرت شاہ دولہؒ کی خدمت میں ایک خواجہ سرا بھیجا اور ان سے دعا کی درخواست کی[۵۲]۔ شاہ صاحب نے کوئی وظیفہ پڑھنے کی

---

۵۱ جہاں آرا بیگم۔ رسالہ صاحبیہ، مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۸۰ء، ص ۹۷

۵۲ شاہ دولہ گجراتی ۱۵۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالرحیم خان، سلطان ابراہیم لودھی کی اولاد سے تھے اور ان کی والدہ نعمت خاتون سارنگ خان گکھڑ کی پڑپوتی تھیں۔ شاہ دولہ نے متعدد ندی نالوں پر پل بنوائے، جن کی وجہ سے وہ "دریائی" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ موصوف ۹۵ سال کی عمر میں ۱۶۷۶ء میں فوت ہوئے "خدادوست" مادۂ تاریخ ہے۔ ان کا مزار گجرات میں مرجع خلائق ہے۔

تھیں لیکن اس وظیفہ کی کوئی تاثیر ظاہر نہیں ہوئی۔ شاہ دولہؒ کے بعد جہاں آرا بیگم نے حضرت عبداللہ قادریؒ سے رابطہ قائم کیا جس کا ذکر اس نے رسالہ صاحبیہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"چوں بحوالی تال جلال گکھڑ منزل واقع شد نزد حاجی عبداللہ نیز خواجہ سرائے را باندرو نیازی فرستادم وازایشاں التماس فیض کردم۔ نذری کہ فرستادم قبول نمودہ تسبیحے وذکر رسمی زمودند کہ بآں اشتغال یابم۔ ویک جائے نماز کہ بدست خود دوختہ بودند وبہیں کسب کہ وجہ حلال باشد، اوقات خود میکنند با دونان بجہت من فرستادہ اند۔ من پارۂ ازاں تناول کردم وبمجرد خوردنِ نان در دل صفائی ونوری ودر باطن جمعیتے وحضوری یافتم وتا سہ روز آں نان را نگاہ داشتم وبا اکثری از خادمہ ہائے خود دادم۔ حاجی عبداللہ سی سال است کہ قدم از خانۂ خود بیروں نہ نہادہ اند"۔[۵۳]

میں جن دنوں رسالہ صاحبیہ مرتب کر رہا تھا، ان دنوں میں نے حاجی عبداللہ کے حالات تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ صوفیوں کے کسی بھی تذکرے میں حاجی عبداللہ کے سوانح دیکھنے میں نہیں آئے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری صوفیوں کے بارے میں بڑی معلومات رکھتے ہیں، میں نے اس ضمن میں ان کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے بھی حاجی صاحب کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حکیم صاحب نے اس سلسلہ میں پیر شرافت نوشاہی سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ پیر صاحب کو پنجاب کے صوفیوں کے بارے میں بڑی معلومات ہیں، لیکن حاجی عبداللہ کے بارے میں وہ بھی کچھ نہ بتا

---

۵۳ جہاں آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص ۷۹۔

سکے تھے میں نے حکیم صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر پیر صاحب ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، تو پھر اُن کے حالات کہیں سے نہیں مل سکتے۔

جہاں آرا بیگم کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گجرات میں حضرت شاہ دولہ[77] سے ملنے کے بعد اور حسن ابدال پہنچنے سے پہلے تال جلال گکھڑ کے مقام پر حاجی عبداللہ سے ملی تھی۔ اس لیے یہ جگہ گجرات اور حسن ابدال کے درمیان ہونی چاہیے تھی۔

میں نے ایک روز سرراہے پنجابی زبان کے ایک نامور ادیب سید سبط الحسن ضیغم سے حاجی عبداللہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اُن کے پاس پنجابی زبان کا ایک منظوم تذکرہ مسمیٰ بہ تحفۂ قادریہ ہے، جس میں عبداللہ حضوری نام کے ایک بزرگ کے حالات ملتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ وہی بزرگ ہوں جن کی تلاش میں میں لگا ہوا ہوں۔ میری درخواست پر انھوں نے وہ تذکرہ مطالعہ کے لیے مجھے عنایت فرمایا۔ جب میں نے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے حالات کی مجھے مدت سے تلاش تھی۔ فاضل مصنف نے دارا شکوہ کی ان کی خدمت میں حاضری کا بھی خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تحفۂ قادریہ سے حاجی عبداللہ کے حالات تو مل گئے لیکن اُن کے مزار کے محلِ وقوع کا پتہ نہ چل سکا۔ فاضل مصنف نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ موضع لبساندور یا بیبیند ور میں مدفون ہیں۔ اسی طرح ان کے آبائی وطن کا نام تمر کھڑی لکھا ہے۔ یہ دونوں نام مجہول تھے اس لیے ڈسٹرکٹ سنسز رپورٹ میں بھی تلاش کرنے سے نہ ملے۔ اتفاق سے

---

[74] پیر شرافت نوشاہی پنجاب کے ایک نامور صوفی حضرت نوشہ گنج بخش کی درگاہ واقع ساہن پال ضلع گجرات کے سجادہ نشین ہیں۔ انھوں نے شریف التواریخ کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس پر میں نے ماہنامہ برہان دہلی کے لیے ۲۸ صفحات کا تبصرہ لکھا ہے۔

نف نے ایک جگہ موضع بسالی کا ذکر کیا ہے، جہاں حاجی عبداللہ نے ابتدائی تعلیم صل کی تھی۔ یہ CLUE میرے لیے بڑا مفید ثابت ہوا۔

حسن اتفاق سے میرے ایک کرم فرما حکیم امانت اللہ قادری، تحصیل راولپنڈی کے یک گاؤں کوری میں رہتے ہیں۔ ایک بار میں نے ان سے کوری جانے کا راستہ پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ رواتؔ[5] سے چکوال کو جو سڑک جاتی ہے، اس پر بسالی نام کا ایک موضع آتا ہے۔ راولپنڈی سے بسالی تک بس میں سفر کرتے ہیں اور وہاں سے کوری تک پیدل راستہ جاتا ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں محفوظ تھی، میں نے فوراً ان کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ حاجی عبداللہ نام کے ایک بزرگ عہد شاہجہاں میں ہو گذرے ہیں۔ ان کی جائے ولادت موضع ترکھڑی تھی اور انھوں نے بسالی میں تعلیم پائی تھی اور وہ بسیندور میں دفن ہیں۔ میں بسیندور جانا چاہتا ہوں، اس مقام کا پتہ چلائیے۔

دس بارہ دن بعد حکیم صاحب کا خط ملا جس سے کئی عقدے حل ہوئے۔ تحفۂ قادریہ کے مصنف نے جس موضع کا نام ترکھڑی لکھا ہے، وہ دراصل تخت پڑی ہے اور ابھی رواتؔ کے نواح میں موجود ہے۔ بساندور یا بسیندور بھی بشندور نکلا، جو سوہاوہ کے قریب واقع ہے[6]۔

میرا خط ملنے کے بعد حکیم صاحب نے گوجر خان کے ایک وکیل ملک محمد اسلم صاحب

---

[5] رواتؔ راولپنڈی کے قریب ایک مشہور موضع ہے جہاں سارنگ خان گکھڑ کا بنوایا ہوا قلعہ موجود ہے۔ قلعہ کے اندر سارنگ خان کا گنبد دار مقبرہ ہے، جو دور دور سے نظر آتا ہے۔

[6] سوہاوہ، جہلم سے جانب راولپنڈی ۴۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ہے۔ جہلم سے وہاں تک ریل یا بس کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔

سے رابطہ قائم کیا اور اُن سے کچھ معلومات حاصل کیں۔ بعد ازاں موصوف سوہاوہ گئے اور وہاں پبلک میڈیکل ہال کے مالک مرزا محمد امین سے ملے۔ مرزا صاحب لشندور کے مجاورین کے معتقد ہیں، انھوں نے حکیم صاحب سے کہا کہ اگر میں سوہاوہ پہنچ جاؤں تو وہ مجھے لشندور لے جائیں گے۔

حکیم صاحب کا خط ملتے ہی میں نے مرزا محمد امین سے رابطہ قائم کیا اور ان کا جواب آنے پر میں سوہاوہ روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کسی کام کے سلسلے میں کراچی جا چکے ہیں۔ اُن کا فرزند مرزا ناصر بڑے تپاک سے ملا اور اس نے سوہاوہ کے ایک زمیندار راجہ مسعود ناصر کے ساتھ مل کر مجھے لشندور لے جانے کا انتظام کرلیا۔ راجہ صاحب ایک ٹریکٹر لے آئے اور ہم تینوں اس پر سوار ہوکر لشندور روانہ ہوئے۔ سوہاوہ — راولپنڈی روڈ پر دو میل کے فاصلہ پر بائیں جانب ایک سڑک چکوال کی جانب مڑتی ہے اور وہیں سے ایک راستہ دَھمیک کی طرف جاتا ہے جو آگے جاکر کچا ہو جاتا ہے[۵] ہم دَھمیک کی طرف روانہ ہوئے اور اڑھائی میل کا فاصلہ طے کرکے دَھمیک جانے والے راستے سے لشندور جانے والے راستے پر مڑ گئے۔ اس مقام سے دَھمیک کا فاصلہ چھ میل ہے۔ اس موڑ سے لشندور تقریباً ایک میل رہ جاتا ہے۔ یہ راستہ بڑا تکلیف دہ ہے اور پیدل چلنے میں زیادہ آسانی رہتی ہے۔

لشندور سطح زمین سے اندازاً پچاس ساٹھ گز بلندی پر واقع ہے۔ گاؤں میں پانی کی قلت ہے اور سطح زمین پر ایک بڑا سا کنواں ہے جہاں سے اہلِ دیہہ پانی حاصل کرتے ہیں۔ مقامی ڈپو ہولڈر نے ہمیں بتایا کہ گاؤں میں کل ۲۵۰ گھر ہیں اور یہاں کی آبادی ۲۱۰۰ نفوس پر مشتمل ہے[۶] وہاں ایک ہائی اسکول اور حبیب بنک کی ایک شاخ بھی موجود ہے۔

۵؎ دَھمیک وہ تاریخی مقام ہے جہاں کھوکھروں اور باطنیوں کی ملی بھگت سے سلطان محمد غوری کو شہید کیا گیا تھا۔ اس کا تلفظ دَھم یک ہے۔ (حاشیہ نمبر ۸ صفحہ ۱۳ پر دیکھیں)

گاؤں میں داخل ہوتے ہی اسکول کی عمارت نظر آتی ہے اور اس کے قریب ہی ایک پختہ تالاب ہے جس کا پانی مویشیوں کو پلانے کے کام آتا ہے۔ تالاب سے آگے بڑھیں تو ایک گنبد دار مقبرہ پر نظر پڑتی ہے۔ یہ مقبرہ سابق سجادہ نشین اکبر شاہ کا ہے۔ یہیں سے حاجی عبداللہ کی درگاہ کی طرف راستہ جاتا ہے۔

حاجی عبداللہ کو اس نواح میں لوگ دیوان حضوری کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کا مزار ایک بڑے احاطے کے وسط میں ہے اور اس پر ایک گنبد بنا ہوا ہے جو حال ہی میں تعمیر ہوا ہے گنبد کے اندر شمالی دیوار پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روضہ کی پینٹنگ بنی ہوئی ہے اور شرقی دیوار پر روضۃ النبیؐ اور غربی دیوار پر حرم مکہ کی پینٹنگز بنی ہوئی ہیں۔ جنوبی دیوار پر مسجد بلالؓ کی پینٹنگ ہے۔ یہ پینٹنگز کسی اچھے پینٹر کی بنائی ہوئی ہیں۔ اندرونی دیواروں پر آیاتِ قرآنی بھی کندہ ہیں اور عمارت کو رنگین ٹائیلوں سے سجایا گیا ہے۔ گنبد کے نیچے حاجی صاحب اور ان کے فرزند شاہ رحمت اللہ کی قبریں ہیں۔ حاجی صاحب کی لوحِ مزار پر یہ بے معنی سی عبارت کندہ ہے:

مرقدِ پُر انوار

جناب حضرت برہان العاشقین حجۃ المشائخین غوث المغیثین قطب الاقالیم امام السجیا مہدیٔ الاولیا مغنی الفقرا مقتدر البدلا [۵۹] ہادی المتحیرین دیوانی حضوری حاجی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

تاریخ وصال ۲۰ شوال ۱۰۷۲ھ۔

---

۵۸ ظاہر ہے کہ اس آبادی میں بچوں کی نفری زیادہ ہوگی۔

۵۹ البدلا شاید الابدلا ہے اور اسے ابدال کی جمع بنانے کی کوشش بلکہ جسارت کی گئی ہے یہ پوری عبارت بے معنی سی ہے۔

ان کی قبر کے برابر ان کے فرزند شاہ رحمت اللہ کی قبر ہے اور ان کی لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:

مرقدِ پُر انوار

مقبول بارگاہ صمد مصدر فیوضات حضرت اَحد قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین حضرت شاہ رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ خلف الرشید حضرت قبلہ دیوان صاحب حاجی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

تاریخ وصال ۱۲ رمضان المبارک ۱۱۹۳ھ

گنبد کے باہر جانبِ شرق حضرت رحمت اللہ کے فرزند و جانشین شیخ محمد کا مزار ہے اور ان کی لوح مزار پر صرف ان کا نام اور تاریخ وفات ۱۱ رمضان ۱۱۰۹ھ کندہ ہے۔ درگاہ کے احاطہ میں ایک مسجد بھی ہے، جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے۔

ان دنوں جناب فضل حسین شاہ سجادہ نشین ہیں۔ ان کی بھاوج منظور بیگم بنت اکبر شاہ، زوجہ سلطان محمود ہنوز بقید حیات ہیں، اور عوام الناس میں مائی صاحبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۹ شوال کو حاجی صاحب کا عرس روایتی انداز سے منایا جاتا ہے اور قرب و جوار کے دیہاتوں سے کافی لوگ وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

بشندور جا کر معلوم ہوا کہ تال جلال گکھڑ، جسے اب "جلال سر" کہتے ہیں، سوادہ سے گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ تالاب ۱۵۸۲ء/۹۹۰ھ میں اس علاقہ کے رئیس سلطان جلال (م ۱۰۲۶ھ) نے تعمیر کروایا تھا۔ کیگوہر نامہ کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس علاقے میں قحط پڑ گیا تھا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے تھے۔ جلال گکھڑ نے بھوکے عوام کو قوتِ لایموت فراہم کرنے کی غرض سے تالاب کی تعمیر شروع کروادی[۱۰]۔

---

[۱۰] دُنی چند، کیگوہر نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۸۔

تالاب اور اس سے ملحقہ عمارتیں چار صد کنال کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مہندسین نے دو گھاٹیوں کے درمیان ایک مضبوط بند باندھ کر تالاب بنایا ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے سطح زمین سے تالاب کی تہہ تک ایک سو بیس سیڑھیاں ہوا کرتی تھیں لیکن مرورِ زمانہ سے تالاب ریت اور مٹی سے اَٹ گیا اور اب صرف دس سیڑھیاں باقی رہ گئی ہیں اور بقیہ سیڑھیاں ریت میں دب گئی ہیں۔

تالاب میں اب بھی سارا سال پانی جمع رہتا ہے۔ فاضل پانی کے نکاس کے لیے ایک سرنگ موجود ہے۔ سرنگ کے قریب ہی ایک بڑی عمارت کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں جنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسے ریسٹ ہاؤس کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ (جہاں آرا بیگم نے غالباً اسی عمارت میں قیام کیا تھا) اس عمارت کے قریب حمام بھی موجود ہے۔ جہاں شاہی خاندان کے افراد غسل کیا کرتے تھے۔ ریسٹ ہاؤس سے قریب چونے گچ سے بنی ہوئی ایک مسجد بالکل صحیح و سالم حالت میں موجود ہے۔

سرکاری کاغذات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تالاب کے کنارے ایک گاؤں آباد تھا لیکن ۱۷۸۳ء کے "قحطِ کلاں" کے وقت یہ گاؤں بے چراغ ہوگیا اب ایک کلومیٹر کے فاصلہ تک کوئی آبادی نہیں ہے۔

تالاب سے تقریباً پچاس گز کے فاصلہ پر اکبر کے ایک ہمعصر بزرگ شاہ جہاں محمد چشتی رحمہ کا مزار ہے ۱۹۴۰ء میں ان کے معتقدین نے مزار کے اردگرد ایک شاندار عمارت بنوادی تھی۔ جمعرات کو قریبی دیہاتوں سے زائرین وہاں جمع ہوجاتے ہیں۔ ماہ جیٹھ کے پہلے بدھ اور جمعرات کو اس بزرگ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں مردانہ کھیلوں کے مقابلے بھی ہوتے ہیں[۱۱]

---

[۱۱] یہ تمام معلومات جناب محمد ارتا سب نے ارسال کی ہیں۔

تالاب سے ایک کلو میٹر کے فاصلہ پر موضع کرونٹہ واقع ہے۔ اس موضع کے نمبردار محمد ارشاد صاحب بڑے صاحبِ ذوق بزرگ ہیں اور وہ شائقینِ علم کی رہنمائی اور تواضع کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

کرونٹہ سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر موضع دھمیک واقع ہے۔ یہ وہی تاریخی مقام ہے جہاں گکھڑوں نے ۱۲۰۶ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کو شہید کیا تھا۔ سلطان کی جائے شہادت پر ایک یادگار بنی ہوئی ہے جسے مقامی لوگ سلطان کی قبر بتاتے ہیں۔

حاجی عبداللہ کے سوانح حیات پنجابی زبان کے ایک منظوم تذکرہ مسمٰی بہ —— تحفۂ قادریہ —— میں ملتے ہیں۔ اس کتاب کا مصنف الٰہی بخش ساکن بگھام[۱۲] تھا۔ اس نے اپنے ایک شعر میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مصنف ایس کتاب دا الٰہی بخش فقیر
رہندا وِچ بگہام دے عاجز مند حقیر[۱۳]

یہ موضع اب منگلا جھیل میں ڈوب چکا ہے اور وہاں کے باشندوں نے گوجر خان کے قریب نیو بہگام کے نام سے ایک موضع آباد کر لیا ہے۔ الٰہی بخش نے اپنے بارے میں صرف اتنا بتایا ہے کہ وہ روپڑ (مشرقی پنجاب) کے ایک نقشبندی بزرگ احمد کا مرید ہے۔ اِس کا ذکر بھی اُس نے ایک شعر میں ان الفاظ میں کیا ہے:

پیر آساڈا خاص ہے روپڑ شہر وِچ واسا
احمد صاحب نام تِس متکر جانو ہا سا[۱۴]

---

[۱۲] بگھام یا بگہام دراصل بہگام ہے۔ عام بول چال میں اس کا تلفظ بگڑ گیا تھا۔
[۱۳] الٰہی بخش، تحفۂ قادریہ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۵۱۔
[۱۴] ایضاً، ص ۱۵۲۔

الٰہی بخش رقمطراز ہے کہ اس نے یہ کتاب نواب علی بن حیات بخش بن شاہ دلی بن سلطان محمد بن محمد جعفر بن محمد امین بن شاہ رحمت اللہ بن حاجی عبد اللہ رح کی فرمائش پر ۱۲۶۴ھ میں قلمبند کی ہے۔ کتاب کی تصنیف کے وقت غلام شاہ بن قطب الدین بن محمد علی بن سلطان محمد بن محمد جعفر بن محمد امین بن شاہ رحمت اللہ بن حاجی عبد اللہ رح بشدور کی خانقاہ کا متولی تھا۔ مصنف نے تحفۂ قادریہ میں اُسے بہت سی نصیحتیں کی ہیں۔

تحفۂ قادریہ گذشتہ صدی کے اواخر میں فقیر محمد سید محمد تاجران کتب، تحت پڑی، ڈاکخانہ رواۃ (رِوات) ضلع راولپنڈی نے مسلم پریس دہلی سے طبع کروائی تھی۔ یہ کتاب اب نایاب ہو چکی ہے۔ راقم الحروف کے ذاتی کتاب خانے میں اس کا جو نسخہ ہے، اس کی ضخامت ۱۵۲ صفحات ہے[۵]

الٰہی بخش کی روایت کے مطابق حاجی عبد اللہ رح حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اس نے ان کا شجرۂ نسب یوں نقل کیا ہے:

حاجی عبد اللہ (م ۱۰۷۰ھ) بن نہال الدین (م ۱۰۲۵ھ) بن علاؤ الدین (م ۹۵۰ھ) بن شیخ ولی الدین (م ۹۰۰ھ) بن محمد اسمٰعیل (م ۸۶۵ھ) بن حسام الدین (م ۸۰۵ھ) بن جنید الدین (م ۷۸۰ھ) بن بدر الدین (م ۷۰۰ھ) بن قاسم شاہ (م ۶۵۲ھ) بن حاجی حمید الدین (م ۶۰۲ھ) بن محمد کیف (م ۵۰۱ھ) بن قاضی محمد سعید (م ۴۵۱ھ) بن قطب شاہ (م ۴۰۰ھ) بن ابو اسحٰق شامی (م ۳۶۲ھ)

---

۵ یہ کتاب میرے لیے سید سبط الحسن ضیغم نے کسی کباڑیئے سے خریدی ہے۔ میرے اصرار کے باوجود انھوں نے اس کی قیمت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ عقاید و نظریات میں بُعد المشرقین کے باوجود ہماری دوستی مثالی ہے۔

بن شیخ کاظم (دم ۱۰۳۰ھ) بن شیخ عرب (دم ۹۵۵ھ) بن مسلم شاہ (دم ۹۱۰ھ) بن شیخ نجیب الدین (دم ۸۶۰ھ) بن شاہ محمد (دم ۸۱۰ھ) بن شاہ شہاب الدین (دم ۷۶۰ھ) بن عباس علمدار (دم ۶۸۰ھ) بن حضرت علی رضی اللہ عنہ۔[۱۶]

بادی النظر ہی میں یہ شجرہ مجہول معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عباس ۶۱ھ میں سانحۂ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ ان کا سالِ وفات ۶۸۰ھ بتایا گیا ہے۔ الٰہی بخش نے ان کے فرزند کا نام شاہ شہاب الدین اور پوتے کا نام شاہ محمد لکھا ہے، حالانکہ عربوں میں اس طرح کے نام نہیں ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح حاجی حمید الدین (دم ۱۰۶۲ھ) اور اُن کے والد محمد کیف (دم ۹۶۱ھ) کے درمیان ۱۰۱ سال کا بُعد دکھایا گیا ہے، جو قرین قیاس نہیں ہے۔ الٰہی بخش نے یہ شجرہ بسندور کے مجاوروں سے حاصل کیا تھا، اس لیے اس میں کافی گڑبڑ نظر آتی ہے۔ حاجی عبداللہ کے بعد ۱۰۴ سال میں آٹھ پشتیں گذر جاتی ہیں لیکن ان سے پہلے ایک صدی میں اوسطاً دو پشتیں شمار کی گئی ہیں جو ابن خلدون کے وضع کردہ نظریہ کے بھی خلاف ہے۔

الٰہی بخش کی روایت کے مطابق حاجی عبداللہ کے دادا علاؤالدین غزنی سے ترک سکونت کر کے چنیوٹ آئے اور کچھ عرصہ بعد ملتان منتقل ہو گئے۔ انھوں نے ۹۰۰ھ میں وفات پائی اور وہ چنیوٹ میں دفن ہوئے۔ حاجی صاحب کے والد نہال الدین چنیوٹ سے ترک سکونت کر کے پوٹھوار کے علاقے میں جا بسے اور انھوں نے موضع ترکھڑی، (تخت پڑی) کے ایک بزرگ شیخ کہکا[۱۷] کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ نہال الدین نے بیعت کے بعد ترکھڑی میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں ان کا نکاح ہو گیا۔[۱۸]

---

۱۶ الٰہی بخش، تحفۂ قادریہ، ص ۸-۹

۱۷ کہکا کو کہگا بھی پڑھا جا سکتا ہے، جو زیادہ صحیح ہے۔

۱۸ الٰہی بخش، تحفۂ قادریہ، ص ۴۰۔

حاجی عبداللہ کے بارے میں تحفۂ قادریہ میں یہ مرقوم ہے کہ موصوف مادر زاد ولی تھے۔ موصوف ۲۹ ر شعبان کی شام کو پیدا ہوئے۔ اس وقت مطلع ابر آلود تھا اس لیے رمضان کا چاند نظر نہ آسکا۔ اگلی صبح انھوں نے اپنی والدہ کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تو لوگوں کو پتہ چلا کہ رمضان کا چاند ہو چکا ہے، چنانچہ قاضیٔ دیہہ نے فتویٰ صادر کر دیا کہ لوگ روزہ کی نیت کر لیں۔[۱۹]

الٰہی بخش لکھتا ہے کہ قاضیٔ موصوف ہی نے ان کا نام عبداللہ تجویز کیا۔ جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو اُن کے والدین کو اُن کی تعلیم و تربیت کی فکر ہوئی۔ اُس زمانے میں تخت پڑی کے نواح میں بسالی[۲۰] میں ایک مدرسہ تھا، چنانچہ حاجی عبداللہ کو وہاں بھیج دیا گیا۔

زمانۂ طالب علمی میں حاجی صاحب لوگوں کے مویشی چرا کر گزر بسر کیا کرتے تھے۔ وہ مویشیوں کو جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑ دیتے اور خود اپنا سبق یاد کرنے لگ جاتے ایک بار گرمی کے موسم میں اس علاقے کا چوہدری غازی خاں بدہال شکار کھیلتے ہوئے ادھر آنکلا اور اس نے جنگل میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ حاجی صاحب ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اور ایک سانپ ان کے چہرے پر اپنے پھن سے سایہ کیے ہوئے تھا۔ چوہدری مذکور یہ منظر دیکھ کر دل و جان سے ان کا معتقد ہو گیا۔[۲۱]

---

۱۹ ہمارے صوفی لٹریچر میں ایسی روایات عام ہیں۔ اکثر بزرگوں کے یکم رمضان کو دودھ نہ پینے سے رؤیت ہلال کی تصدیق ہوا کرتی تھی۔

۲۰ بسالی اب بھی روات سے چکوال جانے والی سڑک پر موجود ہے۔

۲۱ یہ روایت گرونانک سے بھی منسوب ہے۔ وہ اپنی گائیں چراتے ہوئے ایک جگہ سو گئے تو سانپ نے اپنے پھن سے ان کے چہرے پر سایہ کر دیا۔ مقامی زمیندار (باقی صفحہ ۲ پہ دیکھیں)

تعلیم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں سے مدینہ منورہ میں رکتے ہوئے بغداد پہنچ گئے۔ انھوں نے بارہ سال تک بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ اس دوران میں وہ شیخ موصوف کے مزار پر "چراغ بتی اور جاروب کشی" کی خدمت انجام دیتے رہے۔ جب حج کا زمانہ قریب آتا تو حاجی عبداللہ حج کے لیے حجاز مقدس چلے جاتے۔ انھوں نے بغداد میں بارہ سالہ قیام کے دوران میں بارہ حج کیے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے انھیں خواب میں تمباکو سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور ایک اشارۂ غیبی کے تحت انھیں برص کا مرض دور کرنے کی کرامت عطا کی۔ شیخ موصوف سے ایک غیبی اشارہ پاکر حاجی صاحب بغداد سے دہلی گئے اور شاہ محمد بندگی کے مرید ہو گئے۔ انھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور انھیں موضع لشندور میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

الٰہی بخش نے حاجی عبداللہ کا شجرۂ طریقت یوں بیان کیا ہے:

حاجی عبداللہ مرید شاہ محمد بخاری مرید شیخ محمود مرید شیخ عبداللہ مرید عبدالواحد مرید شیخ محمد قاسم مرید عبدالباسط مرید شیخ شہاب الدین مرید بدرالدین مرید شمس الدین مرید شرف الدین مرید شہاب الدین مرید شیخ عماد الدین مرید حضرت عبدالرزاق بن شیخ

(حاشیہ نمبر ۲۱ بقیہ ص ۱۹) رائے بلار یہ منظر دیکھ کر ان کا معتقد ہو گیا اور اس نے بہت سی آراضی ان کی نذر کر دی۔ اسی آراضی پر آج ننکانہ صاحب آباد ہے۔ رائے بلار کی اولاد اب تک ننکانہ میں موجود ہے اور سکھ ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ اب تک ننکانہ صاحب میں گورو نانک کے جنم دن کی تقریبات کا آغاز ان ہی کے ہاتھوں سے کرایا جاتا ہے۔

عبدالقادر جیلانی رح.[22]

ایک طویل مدت کی غیر حاضری کے بعد جب حاجی عبداللہ اپنے وطن واپس پہنچے تو یہاں آکر معلوم ہوا کہ ان کے والد ان کی عدم موجودگی میں فوت ہو چکے ہیں لیکن ان کی والدہ ابھی تک بقید حیات ہیں اور وہ موضع چکلالی میں مقیم ہیں۔ حاجی صاحب اپنی والدہ سے ملنے گئے اور جوں ہی ان کی والدہ نے انھیں اپنے سینے سے لگایا، ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، شاید وہ اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ہی زندہ تھیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اشارہ کے مطابق حاجی صاحب نے موضع بشندور میں قیام فرمایا۔ یہیں شہزادہ دارا شکوہ کی ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقع پر دارا شکوہ نے ایک گھوڑا ان کی نذر کیا جسے حاجی صاحب نے ذبح کر کے اپنی خانقاہ کے درویشوں اور محتاجوں کو کھلا دیا۔ اگلے روز جب شہزادہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے ان سے گھوڑا طلب کیا۔ حضرت نے اسی وقت اس کی ہڈیاں جمع کر کے اس پر ایک چادر ڈال دی اور ان کی کرامت سے گھوڑا زندہ ہو گیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شہزادہ بڑا پشیمان ہوا اور اس نے حاجی صاحب سے اس گستاخی کی معافی مانگی[23]

شہزادی جہاں آرا بیگم رسالہ صاحبیہ میں لکھتی ہے کہ حاجی عبداللہ کپڑے کے جائے نماز بنا کر فروخت کرتے ہیں اور اسی آمدنی سے اپنا گذارہ کرتے ہیں[24] عام صوفیوں کے برعکس موصوف نذر قبول کر لیا کرتے تھے۔ جہاں آرا بیگم نے ایک خواجہ سرا کی معرفت

---

[22] الٰہی بخش، تحفۂ قادریہ، ص ۵۸۔

[23] ایضاً، ص ۷۵۔۷۶۔

[24] جہاں آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۹۷۔

ان کی خدمت میں نذر بھیجی، جو انھوں نے قبول کر لی[25] اسی طرح جب داراشکوہ ان سے ملنے گیا تو اس نے ایک گھوڑا اور نقدی بطور نذر پیش کی، جو حاجی صاحب نے قبول کر لی[26]

بشندور کے نواحی علاقے میں قلیجان، نصیب خان اور ظاہر خان گکھڑ قوم کے سربرآوردہ افراد تھے۔ حاجی صاحب کے اور ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔

حاجی صاحب کے مریدوں میں سے عبدالباقی ساکن بیولی اور عبدالقادر ساکن جھلیاری نے بڑا نام پیدا کیا۔

حاجی عبداللہ ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء میں فوت ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے شاہ رحمت اللہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ایک مقامی با اثر زمیندار موارج خان بدہان نے انھیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا۔ اس موقع پر ان کا بھائی عبدالعزیز ناراض ہو گیا اور وہ اپنے والد مرحوم کا عصا لے کر گھر سے نکل گیا۔ عبدالعزیز نے گجرات کے قریب موضع گولکی میں سکونت اختیار کر لی، جہاں اُس کی اولاد تحفۂ قادریہ کی تصنیف (۱۲۹۷ھ) تک موجود تھی[27]

الٰہی بخش اور موجودہ سجادہ نشین کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق میں نے سجادہ نشینوں کی جو فہرست تیار کی ہے، وہ یوں ہے:

۱۔	شاہ رحمت اللہ	۱۰۷۱ھ	تا	۱۰۹۳ھ
۲۔	شیخ محمد عبدالرحمٰن	۱۰۹۳ھ	تا	۱۱۰۹ھ
۳۔	محمد شفیع	۱۱۰۹ھ	تا	۱۱۴۶ھ

---

[26] ایضاً۔

[27] الٰہی بخش، تحفۂ قادریہ، ص ۷۵

[28] ایضاً، ص ۷۹۔

۴۔ محمد ضیاء	۱۱۴۶ھ	تا	۱۱۵۲ھ
۵۔ عبدالفضیل شاہ	۱۱۵۲ھ	تا	۱۱۹۰ھ
۶۔ علی محمد شاہ	۱۱۹۰ھ	تا	۱۲۰۷ھ
۷۔ ناصر محمد شاہ	۱۲۰۷ھ	تا	۱۲۲۴ھ
۸۔ الٰہی بخش	۱۲۲۴ھ	تا	۱۲۳۲ھ
۹۔ احمد علی	۱۲۳۲ھ	تا	۱۲۷۵ھ
۱۰۔ غلام شاہ	۱۲۷۵ھ	تا	۱۳۱۱ھ [۲۵]
۱۱۔ محمد اکبر شاہ	۱۳۱۱ھ	تا	۱۳۵۵ھ
۱۲۔ سلطان محمود	۱۳۵۵ھ	تا	۱۳۸۸ھ
۱۳۔ صاحبزادہ فضل حسین	۱۳۸۸ھ	تا	امروز

---

[۲۵] سراج الاخبار جہلم، بابت ۱۲؍فروری ۱۸۹۴ء، (بحوالہ مجلہ تحقیق، جامعہ پنجاب، لاہور، ج ۲، شمارہ ۳، ص ۵۶)۔

—— "قصبہ لِشند در ضلع جہلم۔ ۱۲ر جنوری کو جمعہ کے روز جناب صاحبزادہ غلام شاہ صاحب سجادہ نشین مسند حضرت دیوان حاجی عبداللہ صاحب کا انتقال ہوا۔ انتقال کیا بلکہ آفتاب پنجاب غروب ہو گیا۔ چونکہ اس دن صندوق کا تیار کرنا اور اسباب ضروری مہیا کرنا اور دُور دُور سے معتقدین کا پہنچنا غیر ممکن اور محال تھا، اس واسطے دوسرے دن بوقت ظہر آپ کا جنازہ بڑی شان وشوکت سے نکالا گیا۔"

(یہ عبارت مولوی فقیر محمد جہلمی صاحبِ حدائق الحنفیہ، مدیر سراج الاخبار کی ہے)۔

شجرہ گدی نشینان لشندور

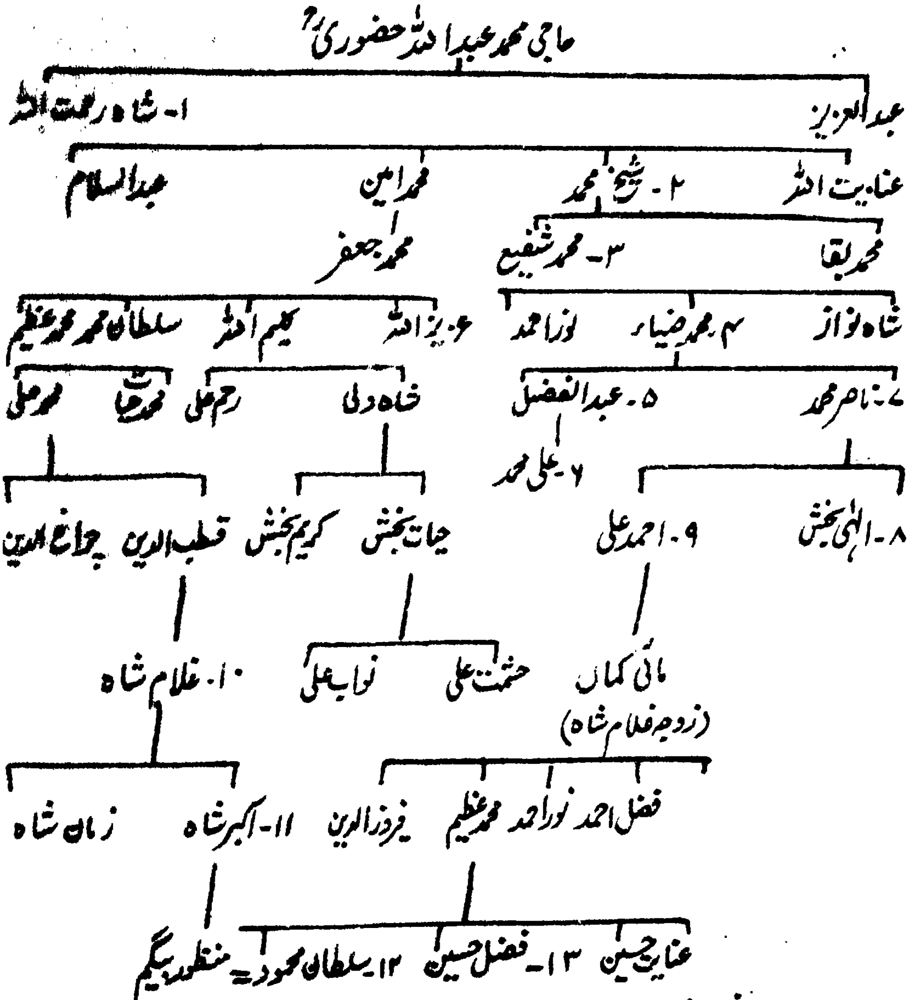

سجادہ نشین نہم احمد علی اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی اکلوتی بیٹی غلام شاہ سے بیاہی گئی اس لیے احمد علی کی وفات کے بعد ان کے داماد غلام شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ سجادہ نشین یازدہم اکبر شاہ بھی اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی اکلوتی بیٹی منظور بیگم سلطان محمود سے بیاہی گئی۔ اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کے داماد سلطان محمود مسند نشین ہوئے۔